رہے ہیں۔ پھولوں کی برکھا ہو رہی ہے۔ ستی چِتا میں بیٹھ چکی تھی کہ اتنے میں کنور پرتھی سنگھ آئے اور ہاتھ جوڑ کر کہا "مہارانی میرا قصور معاف کرو۔"

ستی نے جواب دیا "معاف نہیں ہو سکتا۔ تم نے ایک نوجوان راجپوت کی جان لی ہے تم بھی جوانی میں قتل کئے جاؤ گے۔" ستی کے بچن کبھی جھوٹے ہوتے ہیں۔ یکایک چِتا میں آگ کا شعلہ نمودار ہوا۔ جے جے کار کے نعرے بلند ہوئے۔ آگ میں اس کا چہرہ یوں چمکتا تھا جیسے اُفق کی سُرخی میں آفتاب چمکتا ہے۔ ذرا دیر میں وہاں ایک تودۂ خاک کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

اس ستی کے مزاج میں کیسا ست تھا۔ پرسوں جب اس نے برج بلاسی کو جھجک کر دھرم سنگھ کے سامنے جاتے دیکھا تھا اُسی وقت اس کے دل میں شک پیدا ہو گیا تھا۔ مگر جب رات کو اس نے دیکھا کہ میرا شوہر اس عورت کے سامنے بے کسوں کی طرح بیٹھا ہوا ہے تو شک یقین کے درجے تک پہنچ گیا۔ اور یہ یقین ست کا جذبہ اپنے ساتھ لیتا آیا۔ سویرے جب دھرم سنگھ اُٹھے تو راج نندنی نے کہا کہ میں برج بلاسی کے دشمن کا سر چاہتی ہوں۔ تمہیں لانا ہوگا۔

دھرم سنگھ نے کہا کہ شام تک تمہارے سامنے وہ سر آجائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اپنے ستی ہونے کے سبب اسباب راج نندنی نے خود بخود جان بوجھ کر پیدا کئے کیونکہ اس کے مزاج میں ست تھا۔

کیسا اعلیٰ اخلاقی معیار ہے۔ اور کتنی عبرت ناک داستان۔ گناہ کی آگ کیسی تیز اور اس کی لپٹ کیسی جان سوز ہوتی ہے۔ ایک گناہ نے کتنی جانیں جلا ڈالیں۔ شاہی خاندان کے دو راج کنور اور شاہی خاندان کی دو کنواریاں دیکھتے دیکھتے اس اگنی کنڈ کی نذر ہو گئیں۔ کیونکہ ستی کا بچن ست ہوا۔ اور ساتھ ہی ہفتے کے اندر پرتھی سنگھ بھی دہلی میں قتل کئے گئے اور درگا کنور نے اپنے تئیں اُن پر قربان کر دیا۔

* * *

بے غرض محسن

(۱)

ساون کا مہینہ تھا۔ ریوتی رانی نے پاؤں میں مہندی رچائی۔ مانگ چوٹی سنواری اور تب اپنی بوڑھی ساس سے جا کر بولی "اماں جی! آج میں میلہ دیکھنے جاؤں گی۔"

ریوتی پنڈت چنتامن کی بیوی تھی۔ پنڈت جی نے سرسوتی کی پوجا میں زیادہ نفع نہ دیکھ کر لکشمی دیوی کی مجاوری کرنی شروع کی تھی۔ لین دین کا کاروبار کرتے تھے۔ مگر اور مہاجنوں کے خلاف خاص خاص حالتوں کے سوا ۲۵ فی صدی سے زیادہ سود لینا مناسب نہ سمجھتے تھے۔

ریوتی کی ساس ایک بچے کو گود میں لئے کھٹولے پر بیٹھی تھیں۔ بہو کی بات سُن کر بولیں "بھیگ جاؤ گی۔ تو بچے کو زکام ہو جائے گا۔"

ریوتی "نہیں اماں مجھے دیر نہ لگے گی۔ ابھی چلی آؤں گی۔"

ریوتی کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکا دوسری لڑکی۔ لڑکی ابھی گود میں تھی اور لڑکا ہیرامن ساتویں سال میں تھا۔ ریوتی نے اُسے اچھے اچھے کپڑے پہنائے۔ نظر بد سے بچانے کے لئے ماتھے اور گالوں پر کاجل کے ٹیکے لگا دئیے۔ گڑیاں پیٹنے کے لئے ایک خوش رنگ چھڑی دے دی اور اپنی ہمجولیوں کے ساتھ میلہ دیکھنے چلی۔

کیرت ساگر کے کنارے عورتوں کا بڑا جمگھٹ تھا۔ نیلگوں گھٹائیں چھائی ہوئی

تھیں۔ عورتیں سولہ سنگار کرکے ساگر کے پُرفضا میدان میں ساون کی رم جھم برکھا کی بہار لُوٹ رہی تھیں۔ شاخوں میں جھولے پڑے تھے کوئی جھولا جھولتی کوئی ملہار گاتی۔ کوئی ساگر کے کنارے بیٹھی لہروں سے کھیلتی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوا پانی کی ہلکی ہلکی پھوار، پہاڑیوں کی نکھری ہوئی ہریالی، لہروں کے دلفریب جھکولے موسم کو توبہ شکن بنائے ہوئے تھے۔

آج گڑیوں کی بدائی ہے۔ گڑیاں اپنے سسرال جائیں گی۔ کنواری لڑکیاں ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائے گڑیوں کو گہنے کپڑے سے سجائے انہیں بدا کرنے آئی ہیں۔ انہیں پانی میں بہاتی ہیں۔ اور چہک چہک کر ساون کے گیت گاتی ہیں مگر دامن عافیت سے نکلتے ہی ان نازو نعمت میں پلی ہوئی گڑیوں پر چاروں طرف سے چھڑیوں اور لکڑیوں کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے۔

ریوتی یہ سیر دیکھ رہی تھی اور ہیرامن ساگر کے زینوں پر اور لڑکوں کے ساتھ گڑیاں پیٹنے میں مصروف تھا۔ زینوں پر کائی لگی ہوئی تھی۔ دفعتہً اُس کا پاؤں پھسلا تو پانی میں جا پڑا۔ ریوتی چیخ مار کر دوڑی اور سر پیٹنے لگی۔ دم کے دم میں وہاں مردوں اور عورتوں کا ایک ہجوم ہو گیا۔ مگر یہ کسی کی انسانیت تقاضا نہ کرتی تھی کہ پانی میں جاکر ممکن ہو تو بچے کی جان بچائے۔ سنوارے ہوئے گیسو نہ بکھر جائیں گے؟ دُھلی ہوئی دھوتی نہ بھیگ جائے گی۔ کتنے ہی مردوں کے دلوں میں یہ مردانہ خیالات آ رہے تھے۔ دس منٹ گزر گئے۔ مگر کوئی شخص کمر ہمت باندھتا نظر نہ آیا۔ غریب ریوتی پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ ناگاہ ایک آدمی اپنے گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا۔ یہ اژدہام دیکھ کر اتر پڑا۔ اور ایک تماشائی سے پوچھا "یہ بھیڑ کیسی ہے؟" تماشائی نے جواب دیا۔ "ایک لڑکا ڈوب گیا ہے۔"

مسافر: کہاں؟

تماشائی: جہاں وہ عورت کھڑی رو رہی ہے۔

مسافر نے فوراً اپنی گاڑھے کی مرزئی اُتاری۔ اور دھوتی کس کر پانی میں کود پڑا۔ چاروں طرف سنّاٹا چھا گیا۔ لوگ متحیر تھے کہ کون شخص ہے۔ اُس نے پہلا غوطہ لگایا تو اُس کی چھتری ہاتھ لگی۔ اور دوسرا غوطہ لگایا تو اُس کی ٹوپی ملی۔ تیسرے غوطے کے جب اُوپر آیا تو لڑکا اُس کی گود میں تھا۔ تماشائیوں نے واہ واہ کا نعرہ پرشور بلند کیا۔ ماں نے دوڑ کر بچے کو لپٹا لیا۔ اس اثنا میں پنڈت چنتامن کے اور کئی عزیز آ پہنچے اور لڑکے کو ہوش میں لانے کی فکر کرنے لگے۔ آدھ گھنٹے میں لڑکے نے آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں کی جان میں جان آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ اگر لڑکا دو منٹ بھی پانی میں اور رہتا تو بچنا غیر ممکن تھا۔ مگر جب لوگ اپنے گمنام محسن کو ڈھونڈنے لگے تو اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ چاروں طرف آدمی دوڑائے سارا میلہ چھان مارا۔ مگر وہ نظر نہ آیا۔

(۲)

بیس سال گذر گئے۔ پنڈت چنتامن کا کاروبار روز بروز بڑھتا گیا۔ اس دوران میں اسکی ماں نے سات جاترائیں کیں اور مریں۔ تو ان کے نام پر ٹھاکر دوارا تیار ہوا۔ ریوتی بہو سے ساس بنی لین دین بہی کھاتہ ہیرامن کے ہاتھ میں آیا۔ ہیرامن اب ایک وجیہہ شکیل تنومند نوجوان تھا۔ نہایت خلیق نیک مزاج۔ کبھی کبھی باپ سے چھپا کر غریب اسامیوں کو قرض حسنہ دیا تھا۔ چنتامن نے کئی بار اس گناہ کے لئے بیٹے کو آنکھیں دکھائی تھیں۔ اور الگ کر دینے کی دھمکی دی تھی۔ ہیرامن نے ایک بار ایک سنسکرت پاٹھ شالا کے لئے پچاس روپیہ چندہ دیا۔ پنڈت جی اس پر ایسے برہم ہوئے کہ دو دن تک کھانا نہیں کھایا۔ ایسے ناگوار واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ انہیں وجوہ سے ہیرامن کی طبیعت باپ سے کچھ کھچی رہتی تھی۔ مگر اس کی یہ ساری شرارتیں ہمیشہ ریوتی کی سازش سے ہوا کرتی۔ جب قصبے کی غریب بدھوائیں یا

زمینداروں کے ستائے ہوئے آسامیوں کی عورتیں ریوتی کے پاس آکر ہیرامن کو آنچل پھیلا پھیلا کر دعائیں دینے لگتیں تو اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ مجھ سے زیادہ بھاگوان اور مجھ سے زیادہ فرشتہ صفت آدمی دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ تب اُسے بے اختیار وہ دن یاد آجاتا جب ہیرامن کرت ساگر میں ڈوب گیا تھا۔ اور اُس آدمی کی تصویر اُس کی نگاہوں کے سامنے کھڑی ہو جاتی جس نے اُس کے لال کو ڈوبنے سے بچایا تھا۔ اُس کے تہہ دل سے دعا نکلتی اور ایسا جی چاہتا کہ اُسے دیکھ پاتی تو اُس کے پاؤں پر گر پڑتی۔ اُسے اب یقین کامل ہوگیا تھا کہ وہ انسان نہ تھا بلکہ کوئی دیوتا تھا۔ وہ اب اُسی کھٹولے پر بیٹھی ہوئی جس پر اس کی ساس بیٹھی تھی اپنے دونوں پوتوں کو کھلایا کرتی تھی۔

آج ہیرامن کی ستائیسویں سالگرہ تھی۔ ریوتی کے لئے یہ دن سال بھر کے دنوں میں سب سے زیادہ مبارک تھا۔ آج اس کا دست کرم خوب فیاضی دکھاتا تھا۔ اور یہی ایک بے جا صرف تھا جس میں پنڈت چنتامن بھی اس کے شریک ہو جاتے تھے۔ آج کے دن وہ بہت خوش ہوتی۔ اور بہت روتی۔ اور آج اپنے گمنام محسن کے لئے اُس کے دل سے جو دعائیں نکلتیں وہ دل و دماغ کے اعلےٰ ترین جذبات میں رنگی ہوئی تھیں اُسی کی بدولت تو آج مجھے یہ دن اور سکھ دیکھنا میسّر ہوا ہے۔

(۳)

ایک دن ہیرامن نے آکر ریوتی سے کہا۔ امّاں اسری پور نیلام پر چڑھا ہوا ہے کہو تو میں بھی دام لگاؤں۔"

ریوتی۔ سولھوں آنہ ہے؟

ہیرامن۔ سولھوں آنہ۔ اچھا گاؤں ہے نہ بڑا نہ چھوٹا۔ یہاں سے دس کوس ہے۔ بیس ہزار تک بولی چڑھ چکی ہے۔ سو دو سو میں ختم ہو جائے گا۔

ریوتی۔ اپنے دادا سے تو پوچھ۔

ہیرامن۔ ان کے ساتھ دو گھنٹے تک سر مغزن کرنے کی کسے فرصت ہے۔

ہیرامن اب گھر کا مختارِ کل ہو گیا تھا۔ اور چنتامن کی ایک نہ چلنے پاتی۔ وہ غریب اب عینک لگائے ایک گدّے پر بیٹھے اپنا وقت کھانسنے میں صرف کرتے تھے۔

دوسرے دن ہیرامن کے نام پر سری پور ختم ہو گیا۔ مہاجن سے زمیندار ہوئے اپنے منیب اور دو چپراسیوں کو لے کر گاؤں کی سیر کرنے چلے۔ سری پور والوں کو خبر ہوئی نئے زمیندار کی پہلی آمد تھی۔ گھر گھر نذرانہ دینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ پانچویں دن شام کے وقت ہیرامن گاؤں میں داخل ہوئے۔ دہی اور چاول کا تلک لگایا گیا۔ اور تین سو اسامی پہر رات تک ہاتھ باندھے ہوئے ان کی خدمت میں کھڑے رہے۔ سویرے مختار عام نے اسامیوں کا تعارف کرانا شروع کیا۔ جو اسامی زمیندار کے سامنے آتا وہ اپنی بساط کے موافق ایک یا دو روپے اُن کے پاؤں پر رکھ دیتا۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہاں پانسو روپوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

ہیرامن کو پہلی بار زمینداری کا مزہ ملا۔ پہلی بار ثروت اور طاقت کا نشہ محسوس ہوا۔ سب نشوں سے زیادہ تیز، زیادہ قاتل ثروت کا نشہ ہے۔ جب اسامیوں کی فہرست ختم ہو گئی تو مختار سے بولے۔ "اور کوئی اسامی تو باقی نہیں ہے؟"

مختیار۔ ہاں مہاراج! ابھی ایک اسامی اور ہے۔ تخت سنگھ۔

ہیرامن۔ وہ کیوں نہیں آیا؟

مختیار۔ ذرا مست ہے۔

ہیرامن۔ میں اس کی مستی اُتار دوں گا۔ ذرا کوئی اُسے بلا لائے۔

تھوڑی دیر میں ایک بڈھا آدمی لاٹھی ٹیکتا آیا۔ اور ڈنڈوت کر کے

زمین پر بیٹھ گیا۔ نہ نذر نہ نیاز۔ اس کی یہ گستاخی دیکھ کر ہیرامن کو بخار چڑھ آیا۔ کڑک کر بولے "ابھی کسی زمیندار سے پالا نہیں پڑا۔ ایک ایک کی ہیکڑی بھلا دوں گا۔"

تخت سنگھ نے ہیرامن کی طرف غور سے دیکھ کر جواب دیا "میرے سامنے بیس زمیندار آئے اور چلے گئے۔ مگر کبھی کسی نے اس طرح گھُرکی نہیں دی۔"

یہ کہہ کر اُس نے لاٹھی اٹھائی۔ اور اپنے گھر چلا آیا۔ بوڑھی ٹھکرائن نے پوچھا "دیکھا زمیندار کو۔ کیسے آدمی ہیں؟"

تخت سنگھ۔ اچھے آدمی ہیں۔ میں انہیں پہچان گیا۔

ٹھکرائن۔ کیا تم سے پہلے کی ملاقات ہے؟

تخت سنگھ۔ میری ان کی بیس برس کی جان پہچان ہے گڑیوں کے میلے والی بات یاد ہے نا؟

اُس دن سے تخت سنگھ پھر ہیرامن کے پاس نہ آیا۔

( )

چھ مہینے کے بعد ریوتی کو بھی مہری پور دیکھنے کا شوق ہوا۔ وہ اور اس کی بہو اور بچے سب مہری پور آئے۔ گاؤں کی سب عورتیں اُن سے ملنے آئیں۔ اُن میں بوڑھی بھی تھی۔ اس کی بات چیت، سلیقہ اور تمیز دیکھ کر ریوتی دنگ رہ گئی جب وہ چلنے لگی، تو ریوتی نے کہا "ٹھکرائن! کبھی کبھی آیا کرنا تم سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔" اس طرح دونوں عورتوں میں رفتہ رفتہ میل ہو گیا۔ یہاں تو یہ کیفیت تھی اور ہیرامن اپنے مختیار عام کے مغالطے میں آکر تخت سنگھ کو بے دخل کرنے کی تدبیر سوچ رہا تھا۔

جیٹھ کی پورنماشی آئی۔ ہیرامن کی سالگرہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ریوتی چھلنی

میں میدہ چھان رہی تھی۔ کہ بوڑھی ٹھکرائن آئی۔ ریوتی نے مسکرا کر کہا "ٹھکرائن! ہمارے یہاں کل تمہارا نیوتا ہے۔"

ٹھکرائن۔ تمہارا نیوتا سر آنکھوں پر۔ کون سی برس گانٹھ ہے؟

ریوتی۔ اُنتیسویں۔

ٹھکرائن۔ نارائن کرے۔ ابھی ایسے ایسے سَو دن تمہیں اور دیکھنے نصیب ہوں۔

ریوتی۔ ٹھکرائن! تمہاری زبان مبارک ہو۔ بڑے بڑے جنتر منتر کیے ہیں تب تم لوگوں کی دعا سے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ یہ ساتویں ہی سال میں تھے کہ ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ گڑیوں کا میلہ دیکھنے گئی تھی۔ یہ پانی میں گر پڑے۔ بارے ایک مہاتما نے ان کی جان بچائی۔ ان کی جان انہیں کی دی ہوئی ہے۔ بہت تلاش کرایا۔ ان کا پتہ نہ چلا۔ ہر برس گانٹھ پر ان کے نام سے سَو روپیہ نکال رکھتی ہوں۔ دو ہزار سے کچھ اوپر ہو گیا ہے۔ بچے کی نیت ہے کہ اُن کے نام سے مہری پور میں ایک مندر بنوا دیں۔ سچ مانو، ٹھکرائن! ایک بار اُن کے درشن ہو جاتے تو زندگی سپھل ہو جاتی جی کی ہوس نکال لیتے۔

ریوتی جب خاموش ہوئی۔ تو ٹھکرائن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

دوسرے دن ایک طرف ہیرامن کی سالگرہ کا جشن تھا اور دوسری طرف تخت سنگھ کے کھیت نیلام ہو رہے تھے۔

ٹھکرائن بولی "میں ریوتی رانی کے پاس جا کر دہائی مچاتی ہوں۔"

تخت سنگھ نے جواب دیا "میرے جیتے جی نہیں۔"

(۵)

اساڑھ کا مہینہ آیا۔ میگھ راج نے اپنی جان بخشی فیاضی دکھائی۔ مہری پور کے کسان اپنے اپنے کھیت جوتنے چلے۔ تخت سنگھ کی حسرت ناک اور آرزومند نگاہیں ان

کے ساتھ ساتھ جاتیں، یہاں تک کہ زمین اُنہیں اپنے دامن میں چھپا لیتی۔

تخت سنگھ کے پاس ایک گائے تھی۔ وہ اب دن کے دن اُسے چرایا کرتا۔ اُس کی زندگی کا اب بھی ایک سہارا تھا۔ اُس کے اُپلے اور دودھ بیچ کر گزران کرتا۔ کبھی کبھی فاقے کرنے پڑ جاتے۔ یہ سب مصیبتیں اُس نے جھیلیں مگر اپنی بے نوائی کا رونا رونے کے لئے ایک دن بھی ہیرامن کے پاس نہ گیا۔ ہیرامن نے اُسے زیر کرنا چاہا تھا۔ مگر خود زیر ہو گیا۔ جیتنے پر بھی اُسے ہار ہوئی۔ پُرانے لوہے کو اپنی کمینہ ضد کی آنچ سے نہ جھکا سکا۔

ایک دن ریوتی نے کہا۔ بیٹا! تم نے غریب کو ستایا۔ اچھا نہ کیا۔

ہیرامن نے تیز ہو کر جواب دیا "وہ غریب نہیں ہے۔ اُس کا گھمنڈ میں توڑ دوں گا۔"

ثروت کے نشے میں متوالا زمیندار وہ چیز توڑنے کی فکر میں تھا جس کا وجود ہی نہ تھا۔ جیسے بے سمجھ بچہ اپنی پرچھائیں سے لڑنے لگتا ہے۔

(۶)

سال بھر تخت سنگھ نے جوں توں کر کے کاٹا۔ پھر برسات آئی۔ اس کا گھر چھایا نہ گیا تھا۔ کئی دن تک موسلادھار مینہ برسا۔ تو مکان کا ایک حصّہ گر پڑا۔ گائے وہیں بندھی ہوئی تھی۔ دب کر مر گئی۔ تخت سنگھ کے بھی سخت چوٹ آئی۔ اسی دن سے اُسے بخار آنا شروع ہوا۔ دوا دارو کون کرتا۔ روزی کا سہارا تھا۔ وہ بھی ٹوٹا۔ ظالم بے درد مصیبت نے کچل ڈالا۔ سارا مکان پانی سے بھرا ہوا۔ گھر میں اناج کا ایک دانہ نہیں۔ اندھیرے میں پڑا ہوا کراہ رہا تھا کہ ریوتی اس کے گھر گئی۔ تخت سنگھ نے آنکھیں کھول دیں۔ اور پوچھا کون ہے؟

ٹھکرائن۔ ریوتی رانی ہیں۔

تخت سنگھ۔ میرے دھن بھاگ۔ مجھ پر بڑی دیا کی۔

ریوتی نے شرمندہ ہو کر کہا۔ ٹھکرائن! ایشور جانتا ہے۔ میں اپنے بیٹے سے حیران ہوں۔ تمہیں جو تکلیف ہو مجھ سے کہو۔ تمہارے اوپر ایسی آفت پڑ گئی۔ اور ہم سے خبر تک نہ کی۔

یہ کہہ کر ریوتی نے روپوں کی ایک چھوٹی سی پوٹلی ٹھکرائن کے سامنے رکھ دی۔ روپوں کی جھنکار سُن کر تخت سنگھ اُٹھ بیٹھا اور بولا۔ رانی! ہم اس کے بھوکے نہیں ہیں۔ مرتے دم گنہگار نہ کرو۔"

دوسرے دن ہیرامن بھی اپنے ہوا خواہوں کو لئے اُدھر سے جا نکلا۔ گرا ہوا مکان دیکھ کر مسکرایا۔ اُس کے دل نے کہا۔ آخر میں نے اُس کا گھمنڈ توڑ دیا۔ مکان کے اندر جا کر بولا۔ "ٹھاکر! اب کیا حال ہے؟"

ٹھاکر نے آہستہ سے کہا۔ "سب ایشور کی دیا ہے آپ کیسے بھول پڑے۔"

ہیرامن کو دوسری بار زک ملی۔ اُس کی یہ آرزو کہ تخت سنگھ میرے پاؤں کو آنکھوں سے چومے۔ اب بھی پوری نہ ہوئی۔ اسی رات کو غریب آزاد منش ایماندار بوڑھا ٹھاکر اس دنیا سے رُخصت ہو گیا۔

(۷)

بوڑھی ٹھکرائن اب دنیا میں اکیلی تھی۔ کوئی اس کے غم کا شریک اور اُس کے مرنے پر آنسو بہانے والا نہ تھا۔ بے نوائی اور بے مائگی نے غم کی آنچ اور بھی تیز کر دی تھی۔ سامانِ فراغت موت کے زخم کو گو بھر نہ سکیں۔ مگر مرہم کا کام ضرور کرتے ہیں۔

فکرِ معاش بُری بلا ہے۔ ٹھکرائن اب کھیت اور چراگاہ سے گوبر چن لاتی اور اُپلے بنا کر بیچتی۔ اُسے لاٹھی ٹیکتے ہوئے کھیتوں کو جاتے اور گوبر کا ٹوکرا سر پر رکھ کر بوجھ سے ہانپتے ہوئے آتے دیکھنا سخت دردناک تھا۔ یہاں تک کہ ہیرامن کو بھی اس پر ترس آ گیا۔ ایک دن اُنہوں نے آٹا، دال، چاول تھالیوں میں رکھ کر ٹھکرائن کے پاس بھیجا۔ ریوتی

خود لے کر گئی۔ مگر بوڑھی ٹھکرائن آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔ ریوتی! جب تک آنکھوں سے سوجھتا ہے اور ہاتھ پاؤں چلتے ہیں مجھے اور مرنے والے کو گنہگار نہ کرو۔

اُس دن سے ہیرامن کو پھر اُس کے ساتھ عملی ہمدردی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ایک دن ریوتی نے ٹھکرائن سے اُپلے مول لئے۔ گاؤں میں پیسے کے تیس اُپلے بکتے تھے اُس نے چاہا کہ اس سے بیس ہی اُپلے لوں۔ اُس دن سے ٹھکرائن نے اُس کے یہاں اُپلے لانا بند کر دیا۔

ایسی دیویاں دُنیا میں کتنی ہیں۔ کیا وہ اتنا نہ جانتی تھی کہ ایک راز سربستہ زبان پر لاکر میں اپنی جان کا بیڑا کا خاتمہ کر سکتی ہوں۔ مگر وہ پھر احسان کا بدلہ نہ ہو چکے گا۔ مثل مشہور ہے۔ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ شاید اس کے دل میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا کہ میں نے ریوتی پر کوئی احسان کیا ہے۔

یہ وضع دار آن پر مرنے والی عورت شوہر کے مرنے کے بعد تین سال تک زندہ رہی۔ یہ زمانہ اُس نے جس تکلیف سے کاٹا اُسے یاد کرکے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کئی کئی دن فاقے سے گزر جاتے۔ کبھی گوبر نہ ملتا۔ کبھی کوئی اُپلے چُرا لے جاتا ایشور کی مرضی! کسی کا گھر بھرا ہوا ہے کھانے والے نہیں۔ کوئی یوں رو رو کر زندگی کاٹتا ہے۔

بڑھیا نے یہ سب دُکھ جھیلا۔ مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

( )

ہیرامن کی تیسویں سالگرہ آئی۔ ڈھول کی سہانی آواز سنائی دینے لگی۔ ایک طرف گھی کی پوریاں پک رہی تھیں دوسری طرف تیل کی۔ گھی کی موٹی موٹی معزز برہمنوں کے لئے تیل کی غریب فاقہ کشوں نیچوں کے لئے۔

یکایک ایک عورت نے ریوتی سے آکر کہا۔ "ٹھکرائن جانے کیسی ہوئی جاتی ہیں

تمہیں بلا رہی ہیں۔"

ریوتی نے دل میں کہا۔ ایشور! آج تو خیریت سے کاٹنا۔ کہیں بڑھیا مر رہی ہو۔

یہ سوچ کر وہ بڑھیا کے پاس نہ گئی۔ ہیرامن نے جب دیکھا ماں نہیں جانا چاہتیں۔ تو خود چلا۔ ٹھکرائن پر اُسے کچھ دنوں سے رحم آنے لگا تھا۔ مگر ریوتی مکان کے دروازے تک اُسے منع کرنے آئی۔ یہ رحم دل نیک مزاج شریف ریوتی تھی۔

ہیرامن ٹھکرائن کے مکان پر پہنچا تو وہاں بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بڑھی عورت کا چہرہ زرد تھا۔ اور جان کنی کی حالت طاری تھی۔ ہیرامن نے زور سے کہا ٹھکرائن! میں ہوں ہیرامن۔"

ٹھکرائن نے آنکھیں کھولیں اور اشارے سے اسے اپنا سر نزدیک لانے کو کہا۔ پھر رک رک کر بولی۔ میرے سرہانے پٹاری میں ٹھاکر کی ہڈیاں رکھی ہوئی ہیں میرے سہاگ کا سیندور بھی وہیں ہے۔ یہ دونوں پراگ راج بھیج دینا۔

یہ کہکر اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔ ہیرامن نے پٹاری کھولی تو دونوں چیزیں بحفاظت رکھی ہوئی تھیں۔ ایک پوٹلی میں دس روپے بھی رکھے ہوئے ملے یہ شاید جانے والے کا زاد راہ تھا۔

رات کو ٹھکرائن کی تکلیفوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

اُسی رات کو ریوتی نے خواب دیکھا۔ ساون کا میلہ ہے۔ گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں میں کیرت ساگر کے کنارے کھڑی ہوں۔ اتنے میں ہیرامن پانی میں پھسل پڑا۔ میں چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگی۔ دفعتہً ایک بوڑھا آدمی پانی میں کودا اور ہیرامن کو نکال لایا۔ ریوتی اُس کے پاؤں پر گر پڑی۔ اور بولی۔ "آپ کون ہیں؟" اُس نے جواب دیا۔ میں سری پور میں رہتا ہوں۔ میرا نام تخت سنگھ ہے"

سری پور اب بھی ہیرا ان کے قبضے میں ہے۔ مگر اب اُس کی رونق دوچند ہو گئی ہے۔ وہاں جاؤ، تو دُور سے شوالے کا سنہری کلس دکھائی دینے لگتا ہے۔ جس جگہ تخت سنگھ کا مکان تھا، وہاں یہ شوالہ بنا ہُوا ہے۔ اُس کے سامنے ایک پختہ کنواں اور پختہ دھرم سالہ ہے۔ مسافر یہاں ٹھہرتے ہیں۔ اور تخت سنگھ کا گن گاتے ہیں۔ یہ شوالہ اور دھرم سالہ دونوں اُس کے نام سے مشہور ہیں۔

آہ بے کس

(۱)

منشی رام سیوک بھویں چڑھائے ہوئے گھر سے نکلے۔ اور بولے۔ "ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔"

موت کی دست درازیوں کا سارا زمانہ شاکی ہے۔ اگر انسان کا بس چلتا تو موت کا وجود ہی نہ رہتا۔ مگر فی الواقع موت کو جتنی دعوتیں دی جاتی ہیں، اُنہیں قبول کرنے کی فرصت ہی نہیں۔ اگر اُسے اتنی فرصت ہوتی تو آج زمانہ ویران نظر آتا۔

منشی رام سیوک موضع چاند پور کے ایک ممتاز رئیس تھے۔ اور رؤسا کے اوصاف حمیدہ سے بہرہ ور۔ وسیلۂ معاش اتنا ہی وسیع تھا جتنی انسان کی حماقتیں اور کمزوریاں یہی اُن کی املاک اور موروثی جائداد تھی۔ وہ روز عدالت منصفی کے احاطے میں ایک نیم کے درخت کے نیچے کاغذات کا بستہ کھولے ایک شکستہ حال چوکی پر بیٹھے نظر آتے تھے اور گو اُنہیں کسی نے کسی اجلاس پر قانونی بحث یا مقدمے کی پیروی کرتے نہیں دیکھا۔ مگر عرف عام میں وہ مختیار صاحب مشہور تھے۔ طوفان آئے، پانی برسے، اولے گریں، مگر مختار صاحب کسی نامراد دل کی طرح وہیں جمے رہتے تھے۔ وہ کچہری چلتے تو دہقانیوں کا ایک جلوس سا نظر آتا۔ چاروں طرف سے اُن پر عقیدت و احترام کی نگاہیں پڑتیں اور اطراف میں مشہور تھا کہ اُن کی زبان پر سرسوتی ہیں۔

اسے وکالت کہو یا مختار کاری، مگر یہ صرف خاندانی اور اعزازی پیشہ تھا۔